حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ :

عن سعید بن ابی بردۃ عن ابیہ أتیت المدینۃ فلقیت عبداللہ بن سلام فقال ألا تجیٔ فاطعمك سویقا وتمرا وتدخل فی بیت ثم قال انك بارضٍ الربا بہا فاش إذا لك علی رجل حق فاھدی الیك حمل تبن اوحمل شعیر أوحمل قتٍ فلاتاخذہ فانہ ربا۔[1]

"میں مدینہ آیا اور عبداللہ بن سلام کو ملا۔ کہا میرے پاس کیوں نہیں آئے۔ میں تجھے ستو پلاتا، پھل کھلاتا اور تو میرے گھر میں داخل ہوتا، ( جس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تھے ) پھر فرمایا تو ایک ایسی سرزمین میں رہتا ہے۔ جہاں ظاہر و باہر ربا کا کاروبار ہوتا ہے۔ جب تیرا کسی پر قرض ہو۔ وہ تجھے بطور ہدیہ، بھوسہ، جو یا گھاس کی گانٹھ دینا چاہے تو مت لینا کہ یہ ربا میں داخل ہے۔"

## (۳) سودی نظام سے بچنے کے لیے اسلامی ہدایات

**فطری عمل**

بقاء انسانی کے لئے دنیا میں دو اہم عناصر کارفرما ہیں۔ ایک غذا دوسرے دفاع۔ دفاعی مورچہ پر فوج لڑتی ہے۔ اس کے تمام تر اخراجات ملکی دولت سے پورے کئے جاتے ہیں۔ غذا کی ضرورت بھی اسی سرمایہ سے پوری کی جاتی ہے۔ لیکن سرمایہ اُسکا متحمل نہیں ہے کہ بیت المال سے ہر شخص کا روزینہ مقرر کیا جائے۔

**اسلامی نظام معیشت**

اس لئے دفاعی اخراجات کی طرح اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہر شخص کو روزگار مہیا کیا جائے۔ صنعتکار۔ تاجر۔ کاروباری تجربہ رکھنے والے افراد چھوٹے زمینداروں اور کسانوں کو بلا سود قرض دیا جائے تاکہ اُن کی محنت سے ملکی معیشت اچھی ہو اور ملکی دولت کے اضافہ کا سبب بن سکے۔ محنت اور مزدوری کرنیوالے

---

[1] بخاری جلد ۱، ص ۵۳۸

اشخاص کے لئے حکومت خود اپنے زیر انتظام صنعتگاہیں قائم کرے۔ ان کا عملہ ماہرِ فن، دیانتدار محنتی اور ذمہ دار ہوتاکہ یہ عمل ترقی پذیر ہو اور غیر ذمہ دار ہاتھوں یہ ملکی ادارہ برباد نہ ہو۔ البتہ جو لوگ بیکار پھرتے ہیں۔ حکومت ان کا نوٹس لے انکو جبری طور پہ کام میں لگائے، کیونکہ یہ لوگ معاشرے پر بہت بڑا بوجھ ہیں۔ بلکہ معاشرے کے بگاڑنے کا اصل سبب یہی لوگ ہیں۔

## عالمی فسادات کے اسباب

بیکاری اور مفت خوری سے تمام برائیاں جنم لیتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ایسے غلام کو جو بیکار ہو۔ کَلٌّ علی مولٰہ سے تعبیر کیا ہے یعنی ایسے غلام کا وجود ہی اپنے مولے پر تاوان ہے۔

## طریق کار عمل

مذکورہ بالا طریقہ پر عمل کرنا اس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ جو سرمایہ صرف منفعت سود کے لئے بنک میں رکھا جاتا ہے۔ وہ زائد ہے۔ حکومت ان سے ملکی معیشت میں حسب بالا فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ یعنی صنعت و حرفت کے لئے بلاسود قرض اور صنعتگاہیں قائم کر کے بیکار لوگوں کو روزگار فراہم کرے۔

## زائد مال سے عمومی فائدہ اُٹھانا ہی اس کا بہترین حل ہے

زائد زمین ہو یا زائد سرمایہ اُس سے خلقِ خُدا کو منفعت حاصل نہ کرنے دینا نہ صرف قانونی جرم ہے، بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی یہ بہت بڑا گناہ ہے اور گھناؤنا عمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فریق کو کچھ رقبہ اراضی دیا اور اس نے اُسے بنجر چھوڑ دیا اور بیکار کر دیا۔ کسی دوسرے فریق نے اُسے آباد کر لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جھگڑا پیدا ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے :

من كانت له أرض فعطلها ثلاث سنين لا يعمرها فعمرها غيره فهو احق بها ( وهذا مرسل و رجاله ثقات )

ترجمہ : یعنی جس شخص نے اپنی زمین کو تین سال تک معطل چھوڑ دیا ہے، آباد نہیں کیا۔ اتنے میں دوسرا اُسے آباد کر لیتا ہے۔ تو وہ اس کا حقِ ملکیت رکھتا ہے۔

## اسلام میں اِرتکاز دولت کا تصوّر

اسلام نے چند ہاتھوں میں دولت کے سمٹ جانے کو ناپسند کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ضرورت سے زیادہ تقسیم شدہ مال فیٔ واپس لے لیا تھا کہ اس مال میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو بعد میں اسلام میں داخل ہوں گے۔ آپ نے سورۃ حشر کی اس آیت سے استدلال کیا:

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیآء منکم۔

"یعنی یہ اموال محض دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں۔ جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں میں" (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر تمام صحابہ کرام نے متفقہ طور پر تصویب فرمائی، سوائے چند ایک اشخاص کے[1]

## ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ دولت

ایسے ہی ہر دور میں حکومت کے وفادار خاندان اور قبیلے جو مختلف حیلوں سے ملکی دولت سے غلط منافع حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان کی استحصال کردہ یہ دولت بھی سراسر موجودہ حکومت کی ملکیت اور بیت المال کا سرمایہ ہے۔ حسب ضابطہ ہر ملکی اس سے نفع اُٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

## زائد مال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ سفر ایک اعرابی کو دیکھا کہ وہ اپنی لاغر سواری کو سختی سے ہانک رہا ہے تو آپ نے فرمایا جس کسی کے پاس زائد سواری ہو، وہ اُس شخص کے ساتھ احسان کرے۔ جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زاد سفر زائد ہو، وہ اس شخص کی مدد کرے۔ جو زاد سفر نہ رکھتا ہو۔ حتیٰ کہ آپ نے ہر ہر صفت کے مال (نقدی و سامان) کا الگ الگ اس طرح ذکر کیا کہ ہمیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ زائد مال میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے[2]

---

[1] احکام القرآن ج ۳، ص ۱۳۱۴

[2] رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ۔

**دورِ جاہلیت** دورِ جاہلیت کی یادگار اور اس کا مجرب اور آزمودہ نسخہ یہ بھی ہے۔ جس کے ذریعہ غرباء کا استحصال معروف طریقہ سے کیا جاسکتا ہے، کہ انہیں منافع پر قرض دیا جائے تاکہ وہ اپنی معیشت بحال نہ کرسکیں اور ایسے دست و پا ہو جائیں، کہ انکی گردن میں غلامی کا طوق آسانی سے ڈالا جاسکے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی حبشہ کے بادشاہ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب کی جو حالت بتلائی ہے۔ اس کے آخر میں فرمایا ہے:

ویاءکل منّا القوی الضعیف۔

"ہم میں سے ہر قوی شخص کمزور کو کھا جاتا تھا یعنی ایسا استحصال گویا امیر شخص غریب کا گوشت نوچ رہا ہے۔"

## اِسلام میں قرض دینے کے فضائل

سورہ بقرہ کی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ:

وان کان ذو عُسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ واُن تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

"اس میں قرضدار کو مہلت دینے کی ترغیب دی گئی ہے کہ سود کی ممانعت میں اگرچہ لینا دینا موقوف ہوگیا ہے۔ لیکن مُفلس آدمی سے اصل مال کا بھی فوری مطالبہ نہ کرو، بلکہ اُسے مہلت دو اور توفیق ہو تو بخشدو۔"

اس آیت کے تحت امام ابوبکر جصاص رازی حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۷۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اُنظر معسرا فلہ صدقتہ ومن اُنظر معسرا فلہ بکل یوم صدقتہ فقلت یا رسول اللہ سمعتك تقول من اُنظر معسرا فلہ صدقۃ ثم سمعتك تقول لہ بکل یوم صدقۃ قال من اُنظر

معسراً قبل ان يحل الدين فله صدقة ومن أنظره اذا حل الدين فله بكل يوم صدقة ۔[1]

"جسکا حاصل یہ ہے کہ مقررہ میعاد سے پہلے قرض طلب نہ کرنا اور مفلس شخص کو مہلت دینا ایک صدقہ کا ثواب ہے اور مقررہ میعاد کے بعد اُسے مہلت دینا ہر ہر دن کے بدلے ایک ایک ثواب ملتا ہے۔"

## قرض کی مشکلات اور اسلامی اخلاق

اس زمانہ میں قرض کے لین دین میں بھی بحث مشکلات پیش آرہی ہیں۔ خلوص و خیر خواہی کا فقدان ہے سود خوری کی ذہنیت عام ہوگئی۔ عام دینے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ قرض دیکر کوئی مفاد حاصل کیا جائے۔ جب سے یہودیوں کا ایجاد کردہ بنکاری کا سسٹم جاری ہوا ہے "زر زر رامی کشد" والا معاملہ ہے۔ لوگوں کی جمع کردہ بنک میں رقوم کے منافع سود پر گذر بسر ہو رہی ہے۔ (الامان)

اسی طرح قرض لینے والے بھی نیک نیت نہیں رہے۔ قرض لیکر واپس نہیں کرتے حدیث میں ہے:

مطل الغنیّ ظلم

"امیر آدمی کا قرض کی ادائیگی میں دیر کرنا ظلم ہے۔"

جب ضرورت پوری ہوگئی تو قرض کی رقم کا واپس کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مالک اور قرضدار دونوں کو اسلام راہِ اعتدال پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے اور اگر قرض لینے والا کمزور اور دینے والا طاقتور ہو کمزور کی حمایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی حسب ذیل ہے:

اولئك خيار الناس انه لا قدست أمّة لا يأخذ الضعيف فيها حقهٗ غير متعتع ۔[2]

---

[1] احکام القرآن جلد ا، ص ۴۷۸

[2] ابن ماجہ جلد ۲ ص ۱۷۷ ۔ احکام القرآن، جلد ا، ص ۴۷۸

ترجمہ: یہ میری اُمت کے بہترین لوگ ہیں۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اس اُمت (جماعت) کو پاک نہ کرے۔ جس میں کمزور شخص پریشانی اٹھائے بغیر اپنا حق حاصل نہ کر سکے۔

مخدوم و مکرم شیخ مولانا محمد طاسین مدظلہٗ نے مجوزہ بنکاری نظام کے بارے جو تبصرہ کیا ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ کہ یہ نظام موجودہ مشکلات کا حل ہے۔

اور نہ اس نظام میں غرباء کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ صرف سرمایہ دار طبقہ اس سے مزید دولت کما سکتا ہے۔ اس سے دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آجاتی ہے۔ جو اسلامی روح کے سراسر خلاف ہے۔ مضاربت اور شرکت کے شرعی اصولوں کے منافی اور اس کی اغراض و مقاصد سے یکسر خالی ہے۔

## موجودہ بنکاری نظام میں بنک کی حیثیت

مجوزہ بنکاری نظام میں سہ فریقی معاہدہ طے پاتا ہے۔ اس میں بنک کی حیثیت ایک دلاّل کی ہے۔ جو قرضدار سے پیشگی مقرر کردہ منافع کی رقم کا جزوی حصہ کھاتہ دار کو دیتا ہے۔

## موجودہ نظام میں شرعی اصولوں سے انحراف

تجارت کی شرائط کا تقرر سرمایہ کے مالک کا حق ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کے برعکس بنک اپنے ہر دو فریق سے اپنے اصول کی پابندی کراتا ہے۔ بنک کے پاس اپنا کوئی عمل نہیں ہے۔ بلکہ وہ قرضدار کو تجارتی عمل کے نام سے رقم کی ایک مخصوص شرح پر سرمایہ فراہم کرتا ہے گویا موجودہ سودی عمل کا اصل محرک اور داعی بنک ہے اور اس کا وجود ہی اس سارے کام کا مرہونِ منت ہے۔

## قبل از اسلام جس چیز کو رباء سمجھا جاتا تھا اسلام نے اسے برقرار رکھا

عرب کے ہاں جس چیز کو رباء سمجھا جاتا تھا۔ وہ یہی مذکورہ بالا صورت تھی۔ اِسلام نے اُسے اس کی اصلی شکل وصورت میں تسلیم کیا ہے اور اس کی حرمت کو بدستور باقی رکھا ہے۔

امام ابوبکر جصاص رازی المتوفی ۳۷۰ھ جہلا عرب کے سودی لین اور رباء کی تعریف

میں ارشاد فرماتے ہیں :

والربا الذی کانت العرب تعرفه وتفعله انما کان قرض الدراهم والدنانیر الی أجل بزیادة علی مقدار ما استقرض علی مایتراضون به ولم یکونوا یعرفون البیع بالنقد واذا کان تفاضلا من جنس واحد هٰذا کان المشهور بینهم ولذلك۔

قال الله تعالٰی ۔

وما آتیتم من ربا لیربو فی اموال الناس فلا یربوا عند الله۔ فاخبر ان تلك الزیادة المشروطة انما کانت ربا فی المال العین لانهٗ لا عوض لها من جهة المقرض۔ [1]

ترجمہ: عرب کے لوگ جس چیز کو ربا سمجھتے اور اس کا لین دین کرتے تھے۔ وہ کچھ مدت کے لئے دراہم اور دنانیر کے قرض کی صورت میں ہوتا تھا جو وہ آپس میں طے کر لیتے تھے۔ عرب کے لوگ نقدی کے لین دین کو بیع نہیں سمجھتے تھے۔ نیز ایک جنس میں کمی بیشی کے معاملہ کو بھی وہ رباء سمجھتے تھے۔ رباء کی یہ تعریف ان میں مشہور تھی۔

اسی بنا پر اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا ہے :

جو مال رباء تم اس لئے دیتے ہو کہ یہ دوسروں کے مال میں بڑھ سکے تو یہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ لہٰذا اللہ تعالٰی نے نقدی میں مشروط زیادتی کے بارے بتلایا کہ یہ ربا ہے۔ اس لئے کہ قرض دہندہ کی طرف سے اس زیادتی کا کوئی عوض ادا نہیں کیا جاتا۔

اسلام سے قبل جہلا عرب جس چیز کو رباء سمجھتے تھے۔ آج کے اسلامی دور میں اسی کو اصلاحی اور

---

[1] احکام القرآن، ج ۱، ص ۴۶۵